حکم کی لغوی تحقیق و اصطلاحی مفہوم

قضاء کی لغوی و اصطلاحی تشریح کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکم کا لغوی و اصطلاحی مفہوم ذکر کر دیا جائے۔ تاکہ قضاء بمعنی حکم تشریعی کا فہم آسان ہو۔

حاکم کا ماخذ حکم ہے جس کے معنی فیصلہ و فرمان بھی آتے ہیں اور دانش و حکمت بھی

ابن منظور افریقی | والحکم العلم والفقه والقضاء بالعدل [1]

حکم، علم و فقہ کو کہتے ہیں اور عادلانہ فیصلہ کو بھی

محمد بن حسن درید | فکل کلمة وعظتك او زجرتك او دعتك الی مکرمة او نهتك من قبیح فهی حکمة و حکم [2]

ہر وہ بات جو تم کو نصیحت کرتی ہے یا تمہیں کسی غلطی پر ڈانٹتی ہے یا تم کو شرافت کی دعوت دیتی ہے یا تم کو کسی قبیح چیز سے روکتی ہے تو اس قسم کی بات کو حکمت بھی کہا جاتا ہے اور حکم بھی کہا جاتا ہے۔

علامہ جمال قرشی | حکم بالضم فرمودن ...... و دانش و حکمت [3]

یعنی حکم فرمان اور دانش و حکمت کو کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ لغت میں حکم، فرمان شاہی اور عادلانہ فیصلہ کو کہتے ہیں اور مروجہ زبان میں اس سے مراد قانون اور امر و نہی ہے۔

فقہاء کرام اصطلاحی مفہوم | علم اصول کے علماء نے حکم شرعی کی درج ذیل تعریف کی ہے۔

حکم شرعی اللہ کا وہ فرمان ہوتا ہے جس کے ذریعہ بندوں کے لئے بعض افعال کو واجب یا مستحب قرار دیا گیا ہو اور بعض کو حرام یا غیر مستحسن قرار دیا گیا ہو [4] ان فرامین الٰہیہ کو احکام شرعیہ یا شریعت کہا جاتا ہے اور انہیں بھیجنے والے کو حاکم یا شارع کہا جاتا ہے یعنی قانون ساز

قضاء حکم تکوینی اور حکم تشریعی

قضاء اور حکم کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کرنے کے بعد قضاء بمعنی حکم تشریعی کا سمجھ لینا آسان ہوگا۔ قضاء خداوندی کے دو معنے ہیں ایک حکم تکوینی اور دوسرا حکم تشریعی قرآن حکیم میں یہ لفظ تقریباً اٹھتیس آیات میں آیا ہے جہاں اس سے مراد تکوینی اور قضا ازلی ہے۔ لیکن کم از کم دو آیات میں لفظ قضاء شرعی حکم یعنی قانون شرعی

---

[1] لسان العرب، ج ۱۲، ص ۱۴۱ (مادہ حکم و فضل) مختار الصحاح، ص ۱۴۸۔ المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۲۶۔ تفسیر ابن جریر، ج ۱، ص ۵۵۷۔ [2] جمہرة اللغة، ج ۲، طبع حیدرآباد دکن، ص ۱۸۶۔ [3] صراح اللغات، باب المیم، طبع کانپور، ۱۹۱۰ء، ص ۴۶۶۔

[4] توضیح مصری، ص ۲۰۶۔ تحریر الاصول مع الشرح، ج ۱، ص ۷۷۔ منہاج الاصول للبیضاوی برحاشیہ تحریر، ج ۱، ص ۴۲۔ ارشاد الفحول للشوکانی، ص ۶۔

کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے یہ ایک دوسرا انداز بیان ہے جس کے ذریعہ حاکمیت الٰہیہ کا ثبوت ہوتا ہے ۔

وقضی ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ ۔ اور حکم دیا تیرے رب نے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو ۔

وما کان لمومن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ۔

کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم دے دے تو ان کے لئے اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے ۔

ان دو آیات سے واضح ہوا کہ قاضی اللہ کی ذات بابرکات ہے اور حکم دینا اسی کا حق ہے پیغمبر اور عدالت کے قاضی اس کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند رہیں اور اسی طرح لفظ امر بمعنی حکم تشریعی قرآن کریم کی تینتالیس آیات میں آیا ہے ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آمریت مطلقہ اللہ کی صفت ہے ۔

حکم جاری کرنا قضا کہلاتا ہے اور حاکم کو قاضی کہتے ہیں کیوں کہ وہ بھی احکام جاری کرتا ہے ۔

حکم بالضمہ قضاء کے معنی میں آتا ہے اس کی جمع احکام ہے ۔ اس کا مفہوم ہے کسی کے خلاف یا کسی کے مابین حکماً فیصلہ دینا ۔ [1]

قضاء اور حکم دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے ۔

وان احکم بینھم بما انزل اللہ [2]

اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرما دیجئے ۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك ھم الفسقون [3]

اور جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں ۔

درج بالا دو آیات میں حکم کا لفظ آیا ہے ۔

اذا قضی اللہ ورسولہ امرا [4] ۔ جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں ۔

ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما [5] پھر وہ آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں ۔

درج بالا آیات میں قضاء کا لفظ آیا ہے اور مفہوم دونوں جگہ ایک ہی ہے یعنی "فیصلہ دینا"

حکم اور قضاء دونوں کا مفہوم ایک ہونے کے باوجود حاکم کے اختیارات قاضی سے وسیع ہوتے ہیں اس لئے مفہوم کے لحاظ سے حکم کا دائرہ قضاء سے عام ہے اور قضاء کی حدود معین ہیں ۔

وھو الفصل فی الخصومة التی تقع فی دائرة اختصاصہ لا غیر [6]

اور وہ اس خصومت کے فیصلے کا نام ہے جو اس کے دائرہ اختصاص میں آتا ہو ۔

---

[1] تاج العروس، ج ۱۰، ص ۲۹۶ ۔ القاموس المحیط، ج ۴، ص ۹، ۳ ۔ لسان العرب، ج ۹ ۔ [2] المائدہ (۵) ، ۴۹ ۔ [3] المائدہ (۵) : ۴۷
[4] احزاب (۳۳) ، ۳۶ ۔ [5] النساء (۴) ، ۶۵ ۔ [6] عمدۃ ذوی البصائر، ص ۲۵۲ ۔

التشبہ بالاغیار

حافظ عبد الحفیظ، ریسرچ اسسٹنٹ

شریعت اسلامیہ میں تشبہ بالکفار کا مسئلہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے لہٰذا شریعت نے اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے اسے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے حتیٰ کہ اس کی تمام جزئیات اور فروعات کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اتنی جامعیت کے ساتھ اسے بیان کیا ہے کہ اس کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہیں رہا۔

مسئلہ تشبہ پر سب سے پہلے آٹھویں صدی ہجری کے شیخ الاسلام امام حافظ ابن تیمیہ حرانی متوفی ۷۲۸ھ نے اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم کے نام سے ایک مبسوط مدلل اور مکمل کتاب تحریر فرمائی جس میں مسئلہ تشبہ کے تمام پہلوؤں پر کتاب وسنت کی روشنی میں مکمل بحث فرمائی اور اس میں انہوں نے واضح کیا کہ شریعت اسلامیہ نے دینی و دنیوی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں چھوڑا جس میں اس نے مسلمانوں کو کفر و شرک کی نجاست اور ادیان باطلہ کی ظلمت و تاریکی کی مشابہت سے حفاظت کا حکم نہ دیا ہو۔

اردو میں اس سلسلے کی سب سے جامع کتاب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے التشبہ فی الاسلام کے نام سے لکھی۔

تشبہ کی تعریف

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تشبہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اپنی حقیقت اور اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اور اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہو جانا۔ یا اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کر دینا۔ یا اپنی ہئیت اور وضع کو تبدیل کر کے دوسری قوم کی ہئیت یا وضع کو اختیار کر لینا۔ یا اپنی شانِ امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شانِ امتیازی کو اختیار کر لینا۔ یا اپنی اور اپنوں کی صورت و سیرت

کو چھوڑ کر غیروں اور پرائیوں کی صورت اور سیرت کو اپنا لینے کا نام تشبہ ہے[۱]

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تشبہ کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تشبہ بالاغیار کی حقیقت عقلی حیثیت سے

دنیا کے نظامہائے حکومت میں مختلف محکموں اور شعبوں کے لیے ایک یونیفارم مقرر ہوتا ہے مثلاً پولیس کا یونیفارم اور وردی اور ہے، فوج کا یونیفارم اور اس کی وردی اور ہے پھر بری اور بحری فوج کی وردیوں میں بھی فرق ہے، ڈاک خانے کے ملازم اور ریلوے کے ملازم کی وردی بالکل مختلف اور جدا ہے اسی طرح تمام شعبوں اور محکموں کی وردیاں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتی ہیں۔ اور ڈیوٹی کی ادائیگی کے لیے اگر کوئی شخص وردی کے بغیر چلا آئے تو وہ قانون کی رو سے مجرم شمار کیا جاتا اور مستوجب سزا ہوتا ہے۔ اسی طرح اقوام وملل میں بھی یہ بات آپ کو ملے گی کہ ہر قوم وملت کا ایک خاص نشان، ایک علامت اور ایک شعار ہوتا ہے ان کے جھنڈے، ان کے یونیفارم علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں تاکہ ہر خاص وعام کے لیے ان کی شناخت آسان ہوجائے اور واقف کار شخص ہر ایک ملک وسلطنت کے سپاہی اور فوجیوں میں آسانی سے تمیز کرسکے اور اسی سے جنگی میدانوں میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر قوم اپنے ان شعائر وخاص نشانات وعلامات کے تحفظ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے کسی ملک کے جھنڈے کو آپ گرا دیجئے یا اس کی توہین کر دیجئے یا کہیں نصب شدہ جھنڈے کو اکھاڑ دیجئے تو دیکھیے آپ کو کتنے سنگین مقدمات میں ملوث کر دیا جائے گا اور غدار ملک وقوم کے خطاب سے نوازا جائے گا۔ الغرض یہ طریقہ امتیاز زندگی کے مختلف شعبوں اور اقوام وملل میں ہمیشہ سے رائج ہے اور ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔

اپنے شعائر کا تحفظ نہ کرنیوالی قومیں مٹ جایا کرتی ہیں

اسی برصغیر پاک وہند میں دیکھئے کہ یہاں مسلمانوں سے پہلے دنیا کی مختلف قومیں آکر آباد ہوئیں اور چونکہ انہوں نے اپنے اپنے شعار کا تحفظ نہیں کیا اس لیے وہ ہندومت میں ایسی جذب ہوئیں کہ آج ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا اور کوئی بھی قوم وملت

---

[۱] سیرت مصطفےٰ ج ۳ ص ۳۹۸

بحیثیت قوم وملت کے آج ممیز وممتاز نہیں اس لیے کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو قبول کرلیا۔ ہندوانہ رسم ورواج کو اپنا کر اپنی قومی حیثیت کو مٹا ڈالا اسی لیے زندہ قوموں میں ان کا شمار نہیں آج بجز تاریخی صفحات کے ان کا نشان کرۂ ارض پر نہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ انہوں نے اپنے یونیفارم اور اپنی وردی اور اپنے امتیازات کو باقی رکھا اس لیے ان کا شمار آج بھی ہندوستان کی زندہ قوموں میں ہوتا ہے مسلمانوں نے نہ صرف اپنے یونیفارم کو محفوظ کیا بلکہ تہذیب وکلچر، رسم ورواج زبان وعمارت حتیٰ کہ اپنے مردوں اور عورتوں کے ناموں تک کو تحفظ فراہم کیا اسی لیے ان کی ایک مستقل حیثیت ہندوستان میں قائم ہے[۱]

تشبہ کی حقیقت حسی حیثیت سے

اس سلسلہ میں قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:

کائنات کی ہر چیز کی مخصوص شکل ہے جس کے ذریعہ سے وہ پہچانی جاتی ہے جو چیز بھی پردۂ دینا۔ پر آتی ہے وہ اپنی شکل وصورت اور رنگ وروپ ساتھ لاتی ہے تاکہ اسے اپنا وجود منوانے اور ممتاز ہو کر نمایاں ہونے میں کسی قسم کا التباس سدِ راہ نہ ہو خدائے حکیم وقدیر کی بے پایاں حکمت اور فیاض قدرت نے ہر حقیقت کو اس کے مناسب پیرایہ اور ہر باطن کو اس کے شایانِ شان ظاہر بخشا ہے۔

پس دنیا کی ہر مستور حقیقت جب ظہور کرتی ہے تو اپنی ہی شکل میں آتی ہے اور کائنات کا ہر مکنون راز جب پردۂ انکشاف پر آتا ہے تو اس شکل میں جو اسے بدءِ فطرت سے دی گئی ہے۔ (مثلاً) حیوانات کی تمام نوعیں، انسان، شیر، گھوڑا، گدھا وغیرہ پھر نباتات کی تمام قسمیں، درخت، گھاس، جڑی بوٹی بیل وغیرہ سب ہی وہ اشیاء ہیں کہ فطرۃً اپنی اپنی صورتیں ساتھ لائی ہیں اور انہیں صورتوں کی بدولت دنیا میں ان کا امتیاز یا وجود قائم ہے.......... اگر زید عمر سے الگ دکھائی دیتا ہے، یا ایک مکان دوسرے مکان سے علیحدہ نظر آتا ہے، یا ایک کپڑا دوسرے کپڑے سے ممتاز معلوم ہوتا ہے تو وہ یقیناً انہی خصوصیاتِ ہئیتہ کے سبب ہے جو ان میں مشترک نہیں بلکہ آپس میں جداگانہ اور ممتاز ہیں، یعنی ایک مکان کا جو مخصوص نقشہ ہم اپنے ذہن میں اتارتے ہیں وہ دوسرے کو میسر نہیں اس لیے یہ مکان اس مکان سے الگ ہے یا کپڑوں کی شناخت کیوقت ہم سوت کی رقت وغلظت کپڑے کا چکنا اور کرخت ہونا دیکھ کر ہی ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے کا فرق محسوس کرتے ہیں اسی طرح جبکہ ہم زید کے مخصوص چہرے اور قد وقامت کی مخصوص صفات واعراض دیکھتے ہیں جو

---

[۱] مکتوبات شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ۲ / ۱۴۲

عمر کے لیے نہیں ہیں تو یہی زید کا امتیاز ہے جو اس کو عمر سے الگ اور جدا ثابت کر دیتا ہے ان اعیان کو چھوڑ کر اب اعراض میں آؤ تو یہی صورتوں کا اختلاف وہاں بھی چھپا ہوا ہے جس نے ہر ایک کو امتیاز اور خودی و ہستی کی دولت دے رکھی ہے، نور کی شکل اور ہے اور ظلمت کی اور دن کی حقیقت جب ظہور کرتی ہے تو اپنی ہی نورانی شکل پر اور رات جب ظاہر ہوتی ہے تو اپنی ہی تاریک اور بھیانک شکل پر۔ الوان کو دیکھو تو سیاہ رنگ کی وہ شکل نہیں جو سرخ کی ہے اور سرخ کی وہ نہیں جو سبز و سیاہ کی ہے بلکہ ہر ایک اپنے اپنے صوری امتیازات کو لئے ہوئے ہی اپنے وجود کی نمائش کر رہا ہے۔

پھر نہ صرف کائنات کی جزئیات کا جزئیات بن کر رہنا ہی ان امتیازات کا رہین منت ہے بلکہ عالم کی کلیات اور مجموعے بھی باہمی فصل و تمیز میں انہی مخصوص اشکال و اعراض کے دست نگر ہیں۔ ایک جنس دوسری جنس سے، ایک نوع دوسری نوع سے اور ایک صنف دوسری صنف سے محض انہی خصائص کی بدولت اپنے مستقل وجود کو تھامے ہوئے ہے مثلاً جمادات کے نوعی دائرہ میں جب ہم پتھروں کی تلاش میں نکلتے ہیں تو کبھی پتھر کے دھوکے میں ریت اور لکڑی نہیں اٹھا لاتے کیونکہ پتھر کی ایک قدرتی شکل متعین ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ اسی لیے نہ پتھر کو اینٹ کہہ سکتے ہیں، نہ اینٹ کو پتھر۔ نباتات کو لو تو آم دیکھ کر ہمیں کبھی سیب و انار کا دھوکہ نہیں ہوتا کہ ان کی صورتیں ممتاز ہیں . . . .

ان چند سطور سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ اگر اس مادی عالم کو اسی امتیاز شکن التباس کے ہاتھ چھوڑ دیا جائے اور اس کے اجزاء میں ایسی تلبیس راہ پا جائے کہ جس کے ذریعہ موجودات میں کوئی تفریق و امتیاز باقی نہ رہے تو یقیناً عالم بے معنی اور لغو ثابت ہو جاتا ہے اور خدا کی بے مثال صناعی اور قدرت پر ایک بڑا دھبہ بھی آجاتا ہے لیکن اگر اس التباس کی بجائے وہی امتیاز قائم رہے جو ہے اور جس کی وجہ سے عالم کی ہر چیز آج اپنی حد میں پہچانی جا رہی ہے تو یقیناً عالم کی تخلیق بے شمار حکمتوں کا نتیجہ اور خدا کی قدرت کاملہ کا ایک بے مثال نمونہ ثابت ہوگی[1]

اس تمام تفصیل کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہر چیز کی ایک مخصوص شکل و صورت ہے جس سے وہ

---

[1] التشبہ فی الاسلام ص ۴۳ و ۴۷

پہچانی جاتی ہے اور وہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہے اور اگر وہ شئ اپنی اس مخصوص شکل وصورت کو چھوڑ کر دوسری شکل وصورت اپنا لے تو وہ چیز کالعدم ہو جاتی ہے یا پھر وہ ناقابل شناخت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اسلام نے اپنے ماننے والوں کو عبادات و معاملات میں معاشرت و رہن سہن میں ایک مخصوص شکل وصورت وضع قطع اور ایک خاص ہئیت دی ہے اب اگر ایک مسلمان اپنی مخصوص شکل وصورت کو چھوڑ کر کافروں، بے دینوں، منافقوں، مشرکوں، اور یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں کو اپنائے گا یا کسی بھی غیر مسلم کی شکل و صورت بنائے گا یا ان کی سی وضع قطع اختیار کرے گا تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مسلمانوں کو کافروں کی اتباع نہ کرنے بلکہ ہر معاملے میں ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے کہ کہیں یہ بھی انہی میں سے نہ ہو جائیں۔

تشبہ بالکفار کی ممانعت قرآن پاک سے

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

(۱)۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا[۱]

ترجمہ:۔ اے ایمان والو راعنا مت کہا کرو اور انظرنا کہا کرو۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارکہ میں صحابہ کرام رضی آپ کی کوئی بات سمجھ نہ پاتے تو صحابہ راعنا فرماتے جس کا مطلب ہے کہ یارسول اللہ ہماری رعائت فرمائیے اور مسئلہ دوبارہ سمجھا دیجئے منافقین اور کافرین نے اس کا دوسرے معنی مراد لینا شروع کر دیے وہ یوں کرتے کہ لفظ راعنا میں ع کو دراز کر دیتے جس سے مفہوم بالکل بدل جاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اس لفظ کے استعمال سے ہی منع فرما دیا اگرچہ صحابہ کی نیت بالکل صاف اور واضح تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے کفار سے مشابہت کی وجہ سے لفظ کو استعمال کرنے سے ہی منع فرما دیا۔

۱۔ امام ابن تیمیہؒ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا الكلمة نهى المسلمون عن قولها: لان اليهود كانوا يقولونها، وان كانت من اليهود قبيحة ومن المسلمين لم

---

[۱] بقرہ: آیت: ۱۰۴

تکن قبیحة لما کانت مشابهتهم فیها من مشابهة الکفار[۱]

ترجمہ: مسلمانوں کو یہ کلمہ کہنے سے روک دیا گیا کیونکہ یہود اس کلمہ کو کہا کرتے تھے اگرچہ یہود کی نیت اس کلمہ کو کہنے میں بُری تھی اور مسلمانوں کی نیت بُری نہ تھی (لیکن) چونکہ اس میں مسلمانوں کی کفار سے مشابہت تھی اس لیے مسلمانوں کو یہ کلمہ کہنے سے ہی روک دیا گیا۔

مفسر شہیر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ففیه دلالة علی النهی الشدید والتهدید والوعید علی التشبه بالکفار فی اقوالهم وافعالهم ولباسهم واعیادهم وعباداتهم وغیر ذلك من امورهم التی لم تشرع لنا.

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۴۸ ج اول طبع لاہور)

ترجمہ: پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ کفار کے اقوال و افعال، ان کے لباس، ان کی عید اور عبادات وغیرہ میں ان کی مشابہت کرنا جو ہمارے لیے مشروع اور مقرر نہیں سخت منع ہے اور اس پر شریعت میں عذاب کی دھمکی اور سخت وعید ہے۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر کفار و مشرکین کی اتباع اور پیروی سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۲۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا[۲]

ترجمہ: اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کفر اختیار کر چکے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

۳۔ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا[۳]

ترجمہ: گمراہ قوم کی خواہشات کی اتباع نہ کرو۔

---

[۱] اقتضاء الصراط المستقیم ص ۴۶ طبع لاہور

[۲] آل عمران: ۱۵۶

[۳] المائدہ: ۷۷

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۴۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى [۱]

ترجمہ: اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۵۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ [۲]

ترجمہ: ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

۶۔ وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔

ترجمہ: ظالموں (یعنی نافرمانوں) کی طرف (باعتبار دوستی یا شرکت اعمال و احوال کے) مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جائے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اہل کتاب اور دیگر کافروں کے مثل ہو جانے ان کی موافقت اور اتباع کرنے سے روکا ہے اور اس ممانعت کی علت بھی تشبہ و مماثلت ہے اس لیے کہ مطلقاً کفر سے روکنا تو ان الفاظ میں بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرما دیتے کہ کافر مت بنو، یا کفر اختیار نہ کرو لیکن چونکہ کافر ہونے یا بننے اور کافروں سے مشابہت اختیار کرنے، انکی سی شکل و صورت بنانے اور ان کی وضع قطع اختیار کرنے میں فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علانیہ کفر اختیار کرنے والے سے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا اس مسلم سے جو اسلام کا مدعی بھی ہو اور پھر کافروں کے طور طریقوں کو بھی اپنائے ہوئے ہو کیونکہ پہلی صورت میں اسلام اور کفر الگ الگ، ممتاز اور جدا رہتے ہیں جبکہ دوسری صورت میں اسلام اور کفر خلط ملط ہو جاتے ہیں

---

[۱] الاحزاب : ۶۹

[۲] الانعام : ۱۵۰

بلکہ دونوں اپنی حقیقت کے اعتبار سے معدوم نظر آنے لگتے ہیں اسی لیے آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسلام و کفر، حق و باطل اور نور و ظلمت کو باہم خلط کرنے سے روکا ہے تاکہ دونوں کی حقیقتیں جدا جدا رہیں۔

تشبہ اور احادیث نبوی ﷺ قرآنی آیات کے بعد مسئلہ تشبہ کی حیثیت اور اس کی اہمیت اور اس کی ضرورت کو جناب رسالت مآب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ میں دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ اور کفار بالخصوص یہود و انصاری کے طور طریقوں، وضع قطع اور ان کی شکل و صورت، ان کے رسوم و رواج کو اپنا لینے کی خبر مسلمانوں کو پہلے ہی دے دی تاکہ مسلمان اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبرٍ ذراعاً بذراعٍ حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم قیل یا رسول اللہ الیهود والنصاری قال فمن [1]

ترجمہ : "تم ضرور بہ ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلوگے (اور تمہارے اعمال ان لوگوں کے اعمال کے اس طرح مطابق ہو جائیں گے جس طرح) ایک بالشت دوسری بالشت کے اور ایک گز دوسرے گز کے مطابق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو تم بھی ان کی پیروی کروگے آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ (پہلے لوگوں سے مراد) کیا یہود و انصاری ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا تو اور کون ؟"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشبہ کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اگر اس پر اجتماعی طور پر توجہ نہ کی جائے تو آہستہ آہستہ امت کے تمام اعمال یہود و نصاری کے اعمال کے مطابق ہو جائیں گے۔ اور دشمنانِ اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے اور اب بھی ہے کہ مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کو غیر اسلامی تہذیب و تمدن میں بدل دیا جائے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں یہود و نصاری اور کفار و فجار کی ممانعت کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور صحابہ کے اعمال کی ہمیشہ نگرانی کی اور جہاں کہیں بھی یہود و نصاری

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۵۸ مطبوعہ سعید کمپنی کراچی

اور کفار سے مشابہت پائی گئی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ان کی مخالفت کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا۔ یہود عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں تو ان سے عاشورہ کے روزہ کے متعلق دریافت کیا تو یہود نے جواب دیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون کو غرق آب کیا تھا تو ہم شکرانے کی طور پر روزہ رکھتے ہیں تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نحن احق واولی بموسیٰ منکم تو آپ نے بھی روزہ رکھنا شروع کر دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا اس سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

حین صام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء وامر بصیامہ قالوا یارسول اللہ انہ یوم یعظمہ الیہود والنصاریٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لئن بقیت الی قابل لاصومن التاسع [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم بھی دیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس دن کی تعظیم تو یہود و نصاریٰ کرتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا "اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں کا روزہ بھی رکھوں گا۔"

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لعل السبب فی صوم التاسع مع العاشر ان لا یتشبہ بالیہود فی افراد العاشر وفی الحدیث اشارۃ الی ھذا [2]

ترجمہ: دسویں کے ساتھ نویں کا روزہ رکھنے کا سبب شاید یہ ہے کہ یہود کے ساتھ صرف عاشورہ کا روزہ رکھنے میں مشابہت نہ ہو جائے اور حدیث میں اس کا اشارہ بھی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۷۸۔ مسلم ج اول ص ۳۵۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] مسلم ج اول ص ۳۵۹

حضرت ابن عباسؓ کی ایک اور روایت میں جسے سعید ابن منصور نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نویں محرم کے روزے کی علت یہود کی مخالفت کو قرار دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

صوموا یوم عاشوراء وخالفوا فیه الیهود صوموا یوما قبله او یوما بعده [1]

ترجمہ: عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو (اس طرح کہ) اس سے پہلے ایک دن روزہ رکھو یا ایک دن بعد۔

۲۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے ساتھ جاتے تو مردہ کو قبر میں اتارنے تک آپ کھڑے رہتے لیکن ایک یہودی عالم نے بتایا کہ ہم بھی اس طرح کرتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی مخالفت کرو۔

عن عبادة ابن الصامتؓ قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا تبع جنازة لم یقعد حتی توضع فی اللحد فعرض له حبر من الیهود فقال له انا هکذا نصنع یا محمد (صلی اللّٰه علیه وسلم) قال فجلس رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وقال خالفوهم [2]

ترجمہ: "عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے ساتھ تشریف لے جاتے تو آپ مردہ کو لحد میں اتارے جانے تک تشریف نہ رکھتے تھے ایک بار ایک یہودی عالم نے کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح تو ہم کرتے ہیں، تو راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً تشریف فرما ہو گئے اور آپ نے ارشاد فرمایا یہود کی مخالفت کرو۔

---

[1] سنن سعید ابن منصور بحوالہ اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۷۵

[2] مشکوٰۃ ص ۱۴۷

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر اور تقریباً ہر عمل میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا ہے اور یہ حکم صرف مسلمانوں کے قلوب میں یہود و نصاریٰ اور کفار کی مخالفت راسخ کرنے کے لیے تھا کیونکہ اگر ایسا نہیں ہوگا تو اولا مسلمانوں کے قلوب میں کفار سے تعلق کا نرم گوشہ پیدا ہوگا اور بعد ازاں آہستہ آہستہ ان کی محبت دلوں میں آئے گی جو کہ ایمان کے تقاضوں کے منافی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ پوری شریعت کا مقصود ہی یہود و نصاریٰ اور کفار کی مخالفت ہے اور اس کو انہوں نے بہت سی احادیث سے ثابت بھی کیا ہے۔

۳۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب [۱]

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ۔

۴۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم [۲]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہوگا۔

انسانی زندگی کے لیے لباس ایک فطری ضرورت ہے جس کے بغیر انسان کے لیے زندگی گزارنا تقریباً ناممکن ہے چونکہ لباس انسان کے اندرونی جذبات وخواہشات اور ذہنیتوں پر اثر انداز ہوتا ہے اس لیے شریعت نے مسلمان کو لباس میں آزاد نہیں چھوڑا بلکہ لباس کے استعمال میں بھی ایسے پابند کیا کہ وہ ایسا لباس ہرگز استعمال نہ کریں جس میں کفار و فجار، یہود و نصاریٰ کی مشابہت لازم آتی ہو۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایسے کپڑے پہننے سے منع فرمایا جس میں کفار سے مشابہت پائی جاتی تھی۔

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۸۵

[۲] ابو داؤد ص ۵۶۹

۶۔ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ثوبین مُعَصْفرین فقال ان ھذہ من ثیاب الکفار لاتلبسھا۔ وفی روایۃ قلت اغسلھما قال بل احرقھما۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پہ دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے دیکھے۔ فرمایا یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں انہیں مت پہنو دوسری روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ کیا انہیں دھو ڈالوں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جلا دو۔[1]

جبکہ آج ہم اس مقام تک کر گئے ہیں کہ کفار کے استعمال شدہ کپڑے استعمال کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابی کو کپڑا جلا دینے کا حکم فرمانا اسی شدت کے اظہار کے لیے ہے جو ایک مسلمان کے لیے ارباب کفر اور ان کی نسبتوں کے مقابلہ میں شایان شان ہے اگرچہ دھل جانے اور رنگ اتر جانے کے بعد ممانعت کی علت ختم ہو جاتی ہے لیکن یہاں تو قلب سے اس مادہ کا استیصال منظور ہے جو کبھی کسی وقت ایسی نسبتوں کو حقیر اور غیر مؤثر سمجھنے کے لیے ذریعہ بن سکتا تھا۔

۷۔ عن بریدۃ انّ رجلا جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ خاتم من شبہ فقال لہ مالی اجد منک ریح الاصنام فطرحہ ثم جاء وعلیہ خاتم من حدید فقال مالی اری علیک حلیۃ اھل النار فطرحہ فقال یا رسول اللہ من ای شیءٍ اتخذہ قال من ورق ولاتتمہ مثقالاً۔[2]

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا کیا بات ہے

---

[1] مسلم ج ۲ ص ۱۹۳، مشکوٰۃ ص ۳۷۴

[2] ابوداؤد ص ۵۸۰، نسائی ج ۲ ص ۲۹۴ مطبوعہ کراچی

کہ میں تم سے بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں تو اس نے وہ انگوٹھی اتار پھینکی پھر وہ حاضر خدمت ہوا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے؟ کہ میں تم پہ جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں اس نے وہ بھی اتار پھینکی اور عرض کیا یا رسول اللہ آخر کس چیز کی انگوٹھی پہنوں؟ آپ نے فرمایا چاندی کی (اور وزن میں) وہ مثقال سے کم ہی ہو۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:

"یہاں زیوات اور تمام ان سامان تجمل کی تہذیب اور تزئین شرعی پر روشنی پڑتی ہے جو زیور کی اقسام میں سے ہوں، عورتوں کے لیے تمام وہ زیورات ممنوع ہوں گے جن سے کوئی مخصوص تشبہ پیدا ہوتا ہو۔ مثلاً گلے میں سونے یا چاندی کی زنجیر باندھ کر لٹکانا کہ یہ ہندوؤں کا شعار ہے یا کمر میں بدھی پہننا کہ عموماً مشرک عورتیں اسے مخصوص طریق پر استعمال کرتی ہیں یا مردوں کے لیے گھڑی وغیرہ کی ایسی زنجیریں اور چینیں استعمال کرنا جو زیور کے مشابہ ہوں اور مردوں میں عورتوں کی شباہت پیدا کر دیں۔۔۔۔ ممنوع قرار دی جائیں گی[1]

تشبہ اور دور فاروقی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور اس زمانہ کی دونوں سپر طاقتیں شام و روم مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کے سامنے نہ ٹھہر سکیں ان کے تختے الٹ دیے گئے اور اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع ہو گئیں اسلامی پرچم وسیع دنیا پہ لہرانے لگا تو فاروق اعظم جیسے مدبر کو فکر دامنگیر ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات وخصوصیات میں کہیں کوئی فرق نہ آجائے اس لیے انہوں نے فوراً اس کی طرف توجہ کی اور مختلف خطوط و فرامین کے ذریعہ مسلمانوں کو تاکید کی کہ غیر مسلموں کے تشبہ سے پرہیز کریں اور ان جیسی ہئیت اور لباس، وضع و قطع شکل وصورت اختیار نہ کریں اور اپنے قومی لباس اور شعائر کا تحفظ کریں اور ان پر سختی سے

---

[1] التشبہ فی الاسلام ص ۱۹۸

عمل پیرا ہوں۔ دوسری طرف فاروق اعظم نے غیر مسلم عجمیوں کو بھی متنبہ کیا کہ وہ اپنی خصوصیات و امتیازات میں نمایاں رہیں مسلمانوں کے لباس ان کی وضع قطع کو نہ اپنائیں تاکہ دونوں میں فرق رہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو تشبہ بالکفار کے سلسلہ میں جو احکامات جاری فرمائے ہیں ہم ذیل میں انہیں درج کرتے ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بالکل معمولی چیزوں میں بھی مسلمانوں کو تشبہ بالکفار سے بچانے کے احکامات فرمائے ان میں سے ایک فرمان جو آذربائیجان کی عرب رعایا کی طرف بھیجا گیا وہ یہ ہے:

اما بعد فاتزروا وارتدوا وانتعلوا وادموا بالخفاف والقوا السراویلات علیکم بلباس ابیکم اسمعیل، وایاکم والتنعم وزی العجم[1]

ترجمہ: "امابعد اے لوگو ازار اور چادر استعمال کرو، چپل پہنو۔ خفاف ترک کرو اور پاجاموں کے پابند مت بنو اپنے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کا لباس اپنے لیے ضروری سمجھو اور خبردار تنعم اور عجمیوں کی مشابہت اختیار نہ کرنا"

اس فرمان پر تبصرہ کرتے ہوئے قاری طیب صاحب لکھتے ہیں:

"لباس، معاشرت اور تمام شعبہائے زندگی میں اپنی سابقہ روش پر پختہ رہنے کی ہدایت دینے سے غرض وہی قومی امتیاز قائم کرنا اور تشبہ والتباس کا مٹانا ہے۔ یہ کلمات بتلا رہے ہیں کہ یہ جزئی حد بندی صحابہ میں کس قدر اہتمام سے رائج تھی جو آج تنگ نظری پر محمول کی جا رہی ہے۔ اس ذہنیت کے انقلاب کا کیا ٹھکانا ہے کہ آج یہ تحفظ حدود قومی رواداریوں کے خلاف ایک تنگ نظری سمجھی گئی ہے اور کل تک یہی چیز اسلام اور مسلمانوں کے نشوونما کی اصل ضمانت وارتقی۔ تاریخ کے صفحات اٹھا کر دیکھ لو کہ ان جزئیات کے ذریعہ جس قوت سے قدماء (اسلاف) تقلید مسلک۔ تحدید مشرب اور تقیدُ خیالات وافکار پر عامل رہے اسی قدر سطوت وجلال کی روشنی ان کے اس تنگ مطلع سے ابھرتی

---

[1] فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۸۶ طبع لاہور

رہی اور ماضی کو چھوڑ کر اب حال کو بھی دیکھ لو کہ آج اس اصطلاحی رواداری، روشن خیالی فراخ دلی اور وسیع المشربی کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جارہا ہے اسی قدر قومی عزت اسلامی شوکت اور مسلمانوں کے حقیقی رعب و وقار کا دائرہ سمٹتا بھی آرہا ہے[۱]"

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جہاں مسلمانوں کو اپنی اسلامی خصوصیات اور مذہبی امتیازات کو باقی رکھنے عجمیوں اور غیر مسلموں سے مشابہت نہ رکھنے کی تاکید کی وہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان غیر مسلم عجمیوں کو بھی آرڈر جاری کئے کہ وہ مسلمانوں کی وضع قطع ان کی شکل وصورت اور ہیئت اختیار نہیں کریں گے چنانچہ وہ فرمان جو نصارائے شام کے عہد اور اقرار کے بعد بطور شرائط تمام قلمرو خلافت میں جاری کیا گیا اور جن شرائط پر نصارائے شام کو جان و مال اور اہل وعیال کا امان دیا گیا تھا وہ یہ ہے۔

ان نوقر المسلمین ونقوم من مجالسنا ان ارادوا الجلوس ولانتشبه بهم فی شیٔ من ملابسهم قلنسوة اوعمامة اونعلین او فرق شعر ولانتكلم بكلامهم ولانكتنی بكناهم ولانركب السروج ولانتقلد السیوف ولانتخذ شیئاً من السلاح ولا نحمله ولاننقش خواتیمنا بالعربیة ولانبیع الخمور وان نجز مقادم رؤسنا وان نلزم زِیّنا حیثما كنا وان نشد الزنانیر علی اوساطنا وان لانظهر الصلیب علی كنائسنا ولانظهر صلیبا ولاكتبا فی شیٔ من طرق المسلمین ولااسواقهم ولانضرب بنواقیسنا فی كنائسنا الاضربا خفیفا ولانرفع اصواتنا مع موتانا ولانظهر النیران معهم فی شیٔ من طرق المسلمین[۲]

ترجمہ: ہم مسلمانوں کی توقیر کریں گے، اگر وہ بیٹھنے کا ارادہ کریں گے تو ہم اپنی مجالس

---

۱ التشبہ فی الاسلام ص ۸۵

۲ اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ص ۵۸